اقبال سہیل کا تفاعل شعری

ڈاکٹر خالد علوی

79، ساؤتھ اونیو، نئی دہلی۔110001

اقبال سہیل کی شاعری پر گفتگو سے قبل ان کے شعری نظریات پر بھی نظر ڈالی جائے تو بہتر ہوگا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اقبال سہیل کے ہم عصر شعرا میں بہت کم شعرا ایسے گزرے ہیں جو شعریات اور جمالیات کا ستھرا ذوق رکھتے ہوئے اپنے نظریات کا باقاعدہ اظہار کرنے پر قادر بھی ہوں۔ رشید صاحب نے جگر صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ کسی دوسرے کی شاعری پر ہی نہیں بلکہ اپنی شاعری پر بھی چند جملے کہنا مشکل تھا۔ صرف جگر ہی نہیں، اصغر اور فانی بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یگانہ کے علاوہ صرف اقبال سہیل ہیں جو شعر کی جزویات و جمالیات اور ندرت و جدّت پر اظہار خیال کر سکتے ہیں۔ شاعر اور عام انسان کے مشاہدے کا فرق، لطافت احساس، طریقۂ اظہار اور انتخاب الفاظ پر ان کی خاص نظر ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شاعری جیسی ذوقی اور وجدانی چیز پر کیفیات نفسی کی تعبیر الفاظ میں بیان کرنا مشکل کام ہے۔ شاعری روح پر رقص پیہم کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ شعر کی نغمگی اور روح پر اس کی سحر انگیزی میں جو ربط معنوی ہے اس کا اظہار ایک مشکل امر ہے۔

اقبال سہیل کا خیال ہے کہ شاعری حسن مجرّد کی اس مصوری کو کہتے ہیں جس میں لطیف موسیقی بھی شامل ہو۔ تمام فنون لطیفہ میں شاعری مسلّمہ طور پر سب سے بلند تر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعری کی سلطنت میں اسرار و معارف کی پراسرار دنیا بھی شامل ہے جہاں دوسرے فنون کی پہنچ نہیں ہے۔ جہاں وہ ہندی کے ایک قدیم شاعر کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں:

جہاں نہ پہنچے روی وہاں پہنچے کوی

وہ تمام فنون لطیفہ کا موازنہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایک موسیقار، ایک مصوّر یا ایک سنگ تراش کی پرواز تخئیل اس معلوم و موجود کائنات سے تجاوز نہیں کر سکتی جب کہ شاعر کا ذہن عالم قدس تک پرواز کرتا ہے اور نشہ بے کیف اور معنی بے صورت کو پیکر میں ڈھال کر ہمارے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ اقبال سہیل کا خیال ہے کہ شاعری ایسا فن لطیف ہے جس میں موسیقی، بت تراشی، مصوری اور اسرار و معارف کے تمام رموز مدغم ہو جاتے ہیں۔ دیگر تمام فنون ہماری صرف ایک حس کو متاثر کرتے ہیں جب کہ شاعری سامعہ، باصرہ، متخیلہ، نفس ناطقہ اور روحانیت کو متاثر کرتی ہے۔

آل احمد سرور کا خیال ہے کہ یوں تو سید سلیمان ندوی، عبد السلام ندوی، عبد الباری ندوی، مہدی افادی، عبد الماجد دریابادی، سجاد انصاری شبلی ہی کے خوشہ چیں ہیں، لیکن شبلی کی شخصیت اور شاعری کا سب سے دلآویز اور نکھرا ہوا روپ مولانا سہیل کے کلام میں نظر آتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اقبال سہیل کے کلام و شخصیت میں نہیں بلکہ ان کے شعری نظریات میں بھی شبلی کا بہت نمایاں اثر ہے۔ ''موازنۂ انیس و دبیر'' میں شبلی نے انتخاب الفاظ اور شوکت الفاظ پر بہت توجہ کی ہے۔ انیس کی عظمت کی وجوہات میں ان کا سلیقہ الفاظ بھی اہم وجہ قرار دیا ہے۔ اقبال سہیل نے یوں تو بہت زیادہ تنقیدی نظریات کا اظہار نہیں کیا، لیکن اصغر کی شاعری پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے تقریباً شبلی کے نظریات کا ہی اطلاق کیا ہے۔ ان کا خیال ہے:

> ''جن شعرا نے الفاظ کے انتخاب اور ان کی ترکیب میں موسیقی اور ذوق صحیح کا لحاظ رکھا ہے وہ زندۂ جاوید ہیں۔ دیوان حافظ کی اس عالمگیر اور ابدی مقبولیت کا راز کیا ہے؟ محض دروبست الفاظ اور شگفتگی ترکیب کا طلسم، لیکن جہاں شاعری کے لئے یہ عنصر سب سے زیادہ ضروری ہے وہاں مشکل یہ ہے کہ یہ چیز محض ذوقی ہے''۔

اقبال سہیل کے مطابق شعرا کو الفاظ کی ترکیب باہمی میں اس امر کا لحاظ ضروری ہے کہ ان کی حرکات و آواز باہم متضاد بھی نہ ہوں تاکہ تنافر پیدا نہ ہو اور اس قدر یکساں بھی نہ ہوں کہ لطف تنوع معدوم ہو جائے۔ بلکہ پستی و بلندی، سبکی و گرانی، زور و نزاکت اس تناسب اور توازن کے ساتھ باہمی طور پر پیوستہ ہوں کہ ایک کو دوسرے سے ممتاز کرنا دشوار ہو جائے۔ اقبال سہیل صرف انتخاب الفاظ پر ہی زور نہیں دیتے بلکہ صوتی خوش آہنگی کو بھی لازمی قرار دیتے ہیں تاکہ بندش چستی کے ساتھ ایک لطیف انبساط بھی پیدا ہو جائے اور شعر میں خرام جوئبار کی طرح فطری، لیکن معتدل روانی آ جائے۔ اول تو ثقیل اور بارگوش آوازوں سے احتراز کیا جائے لیکن، آغاز تو کسی ثقیل اور بھدّی آواز سے قطعی نہ کیا جائے۔ قافیہ، ردیف یا شعر کے آخری لفظ کا تلفّظ اور آواز نامانوس نہ ہو ایسے الفاظ ذوق سامعہ پر اس طرح گراں گزرتے ہیں جس طرح رات کے سناٹے میں کسی اونچی جگہ سے کچھوا پانی میں چھلانگ مارے۔

اپنے شعری نظریات کی تشکیل میں بعض مقامات پر اقبال سہیل کے خیالات مولانا حالی کے خیالات کی بازگشت بن جاتے ہیں۔ وہ غالب اور اقبال

کے تتبّع میں عربی و فارسی کی دقیق تراکیب کو غلط قرار دیتے ہوئے بازاری محاوروں سے زیادہ نفرت انگیز قرار دیتے ہیں۔ وہ کسی بھی ایسی ترکیب کو ممنوع سمجھتے ہیں جس میں کسی طرح بھی ذم کا پہلو نکلتا ہو۔ وہ کسی بھی ایسی رنگین بیانی کو قابل اعتراض سمجھتے ہیں جو دیانت یا نسائیت سے قریب ہو۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ شعر کا خطاب اعلیٰ ترین اور شریف ترین انسانی جذبات سے ہوتا ہے۔

انہوں نے ایک اور نکتے پر زور دیا ہے کہ زمزمۂ نشاط اور نالہ ماتم انسانی زندگی کا جز ہیں، لیکن انسانی طبائع کو داستان غم سے اتنی دلچسپی نہیں جتنی ترانۂ مسرت سے۔ وہ رنج والم کو زندگی کا لازمی عنصر قرار دیتے ہوئے بھی شعری کائنات سے دربدر کرنا چاہتے ہیں۔ غالب نے شاعری کو معنی آفرینی کہا ہے، لیکن سہیل رقص معانی قرار دیتے ہیں۔ ''رقص'' کے تلفّظ کے ساتھ مسرت وشادمانی وابستہ ہے۔ وہ ڈوبی ہوئی نبضوں، پتھرائی ہوئی آنکھوں اور نزع کی ہچکیوں کو زندہ درگور شعرا کی بدمذاقی تصور کرتے ہیں۔

اگرچہ اقبال سہیل قدیم شعری سرمائے کو وقیع سمجھتے ہیں۔ اپنے ہم عصروں میں فانی اور اصغر کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں، لیکن ندرت اور جدّت کی تائید کرتے ہیں، وہ ندرت بیان کو شاعری کی روح سے تعبیر کرتے ہیں، وہ فرسودہ اور پامال خیالات کو دوبارہ بغیر کسی ندرت بیان کے پیش کرنے کو قابل تعزیر جرم سمجھتے ہیں لیکن تاکید بھی کرتے ہیں کہ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہر جدید تخیل یا ہر نئی طرز ادا بلا کسی تخصیص کے دلفریب ہوتی ہے۔

شاعری اور افادیت پر بھی اقبال سہیل کا واضح نظریہ ہے۔ وہ سفیہانہ، عامیانہ، غلامانہ اور منافقانہ انداز کی شاعری کو مبتذل سمجھتے ہیں اور صرف اسی قدر افادیت کے قائل ہیں اس حد سے آگے بڑھ جانے کو شاعر کے منصب سے خارج سمجھتے ہیں اور واعظانہ کہتے ہیں شاعر کا منصب واعظ سے کہیں بلند ہے۔ ان کو شاعری ایک حساس دل کی قلبی کیفیات کا آئینہ معلوم ہوتی ہے اس سے بحث نہیں کہ خارج میں اس کے نتائج کیا مرتب ہوں گے۔ کسی خارجی مقصد کو پیش نظر رکھ کر شعر کہنا خود مفہوم شعر کے منافی ہے۔ وہ خالق باری کے مقابلے میں زہر عشق اور دیوان داغ کو بے مثل سمجھتے ہیں۔

شبلی نے جس عمل کو محاکات کہا ہے۔ اقبال سہیل اسے مصوّری کہتے ہیں۔ ان کے مطابق مصوری شاعری کا ضروری عنصر ہی نہیں اصلی جان ہے۔ مصوری کی بہترین مثال کے لئے نظام رام پوری اور داغ کے اشعار پیش کرتے ہیں:

لیے جاتا تھا جنوں جانب صحرا ہم کو
دیکھتے جاتے تھے منہ پھیر کے گھر کی صورت
انگڑائی بھی نہ لینے وہ پائے اٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیے مسکرا کے ہاتھ

نظام رامپوری

اقبال سہیل کی شاعری اگر تمام تر نہیں تو زیادہ تر تو یقیناً ان کے نظریات کے تابع ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مقامات پر وہ اپنے نظریات کی نفی کر کے نظر آتے ہیں، لیکن ایسا کم بہت کم ہوا ہے۔ مثال کے طور پر ان کی غزل میں عشق کی خودداری اور برتری ہر جگہ نظر آتی ہے:

سُن نہ کلیم کی طرح عشق کی لن ترانیاں
سرشت حسن تغافل، مزاج عشق غیور

حُرمت عشق کی قسم، عشق کو ملتجی نہ دیکھ
وہ التفات سے، ہم التجا سے ہیں معذور

مرا صبر حد سے گزرا، مگر اے سہیل اب بھی
آخر غرور حسن کو کھانی پڑی شکست

وہ زباں نکال پھینکوں جو طلب کرے ترحّم
میرے نیاز عشق کو خود دار دیکھ کر

وارفتگان شوق کو سمجھا ہے تو نے کیا
ان میکشوں میں ہوتے ہیں یزداں شکارتک

تشنگی طلب بجھے یہ میرا مدعا نہیں
جلوہ گریز پا سہی، وق شک نہ پا نہیں

دل خطاوار اشتیاق سہی
لب گنہ گار التجا نہ ہوا
عشق اور حسن سے سوال کرم
یہ تو غیرت کا اقتضا نہ ہوا

اردو غزل نے ایسے غیرت مند عاشق بہت کم دیکھے ہیں۔ قدما میں قائم چاندپوری کی مثال دی جاسکتی ہے جس کی بے دماغی حسن سے بھی فزوں تر ہے:

بے دماغی سے نہ اس تک دل رنجور گیا
مرتبہ عشق کا یاں حسن سے کب دور گیا

لیکن سہیل کی غزل کا عشق محبوب سے تو التجا کر ہی نہیں سکتا بلکہ وہ صدقے میں ملی بہشت بھی قبول نہیں کرتا:

ننگ ہے بے عمل قبول بہشت
یہ تو صدقہ ہوا صلہ نہ ہوا

اول تو وہ التجا اور نالہ و بکا کے قائل ہی نہیں، لیکن نالہ بہ امید اثر صریحاً بوالہوسی ہے:

دل کی دنیا میں کہاں سود و زیاں کا سودا
بوالہوس نالہ بہ امید اثر کرتے ہیں

وہ بہرحال عشق کی خودداری کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے:

فغاں سنجیاں ہیں نہ خونباریاں ہیں
یہ درد محبت کی خودداریاں ہیں

ان کا عشق ہی خوددار اور غیور نہیں بلکہ حسن بھی بے حد نازک مزاج ہے:

انجام وفا بھی دیکھ لیا اب کس لئے سر خم ہوتا ہے
نازک ہے مزاج حسن بہت سجدوں سے بھی برہم ہوتا ہے

اور یہ شعر تو غالباً ان کے زمانے سے زیادہ ہمارے عہد پر صادق آتا ہے:

عقوبت ہائے فردا سے ڈراتا کیا ہے اے واعظ
یہ دنیا رفتہ رفتہ خود جہنم ہوتی جاتی ہے

اقبال سہیل کے بعض اشعار تو یقیناً اس قابل ہیں کہ اردو کے ہر انتخاب میں جگہ ملنی چاہئے:

چشمک کرے مجھی سے یہ ایسی کہاں کی ہے
بجلی تو خانہ زاد مرے آشیاں کی ہے

آشوب اضطراب میں کھٹکا جو ہے تو یہ
غم تیرا مِل نہ جائے غم روز گار میں

ہم نشیمن کو بھی روئیں تو خطا ہوتی ہے
پھونک ڈالیں وہ چمن بھی تو ہنر کرتے ہیں

صیاد نے اس طرح سجایا ہے قفس کو
آتی نہیں اب مجھ کو نشیمن کی فضا یاد

اقبال سہیل کی بہت سی غزلیں اساتذہ کی زمینوں میں ہیں:

نالہ اچھا ہوا رسا نہ ہوا
مجھ پہ احسان تو چرخ کا نہ ہوا

اب ضبط شوق کا متحمل نہیں رہا
دل جلوہ گاہ حسن کے قابل نہیں رہا

رتبہ داں تھا جبینِ عشق کا میں
حسن کے در پہ جُبّہ سا نہ ہوا

وفا فروش نہیں ہم کہ مثل لالہ و گل
پھریں ہیں دکھاتے ہوئے زخم خونچکاں اپنا

اتنا تو ہوش ہے اسے دیوانہ کیوں کہیں
جو پھوڑتا ہے سر تری دیوار دیکھ کر

صرف غالب ہی نہیں سہیل کے کلام میں فانی، اصغر اور جگر کی زمینوں میں بھی غزلیں مل جاتی ہیں۔ اثر لکھنوی نے اپنے مضمون میں باقاعدہ موازنہ کر کے فانی، اصغر اور جگر سے ان کی برتری قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اثر لکھنوی کا خیال ہے کہ اصغر کی شاعری کا موجودہ رنگ سہیل کا ہی فیضان ہے۔ ممکن ہے یہ بات صحیح ہو، لیکن اصغر نے جس طرح اپنی شاعری کی نشوونما کی سہیل نے نہیں کی اب اصغر اپنے رنگ کے مالک ہیں ہماری شاعری کی تاریخ میں بہت سے شاگردوں کا اساتذہ سے آگے بڑھ جانا عام بات ہے۔ سہیل کی شخصیت اور شاعری پر شبلی، حالی اور اقبال کے بہت واضح اثرات ہیں، لیکن انہوں نے اردو فارسی کے تمام شعرا سے اکتساب فیض کیا ہے۔ وہ ذوق کے قائل نہیں ہیں، لیکن شعر میں ذوق کے قصیدے کا پرتو نظر ہے:

کمال یہ ہے کہ مثل گوہر نہ ہو تہ آب دامن تر
رہے ملک بے گنہ فلک پر تو کون سی پاک دامنی ہے

ذوق کے قصیدے کا شعر ہے:

پاک دنیا سے ہیں، دنیا میں ہیں گو پاک سرشت
فرق ہے آب میں پر تو نہیں اصلاً گوہر

غالب نے کہا تھا:

میرے پتے سے خلق کو کہوں ترا گھر ملے

سہیل کہتے ہیں:

اگر چلنا تو نقش پا بھی لغزش سے ہٹا دینا
نہیں زیبا کسی کو کوئے جاناں کا پتا دینا

ایک شعر یگانہ سے بھڑ لیا گیا ہے:

ادھر ہے چتونوں پر بل ادھر تبسم آنکھ میں
عجیب کشمکش سی ہے عنایت و عتاب کی

عقل و عشق کی کشمکش اقبال کے کلام میں عام ہے۔ اقبال سہیل نے بڑے سلیقے سے کہا ہے:

عاقل مصلحت شناس کو یہ میرا پیام ہے
عشق جنوں ہی سہی قابل احترام ہے

فانی کے اس مشہور شعر کا مضمون اقبال سہیل کے اس مضمون میں نظر آتا ہے:

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلہ قید حیات
فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

سہیل کہتے ہیں:

شکل زنداں بدل گئی ورنہ
مر کے میں قید سے رہا نہ ہوا

سودا نے کہا تھا:

ہستی سے عدم تک نفس چند کی ہے راہ
دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

سہیل کا شعر ہے:

تو نفس کی آمد و شد کو سمجھتا ہے حیات
میں یہ کہتا ہوں وداع جاں ہے جان زندگی

اقبال سہیل کے اس شعر:

زاید کو اپنے حسن محل پر غرور ہے
مجھ کو تو تری شان کریمی پہ ناز ہے

سے شعری بھوپالی نے چراغ جلایا ہے:

ترے کرم کے بھروسے پہ حشر میں یارب
گناہ لایا ہوں اور بے حساب لایا ہوں

سیاسی شاعری ہمیشہ زندہ رہے گی جس میں غزل کا رمزیہ انداز اور غزل کے اشارات و کنایات موجود ہوں:

خدا سمجھے بت سحرآفریں سے
گریباں کو لڑایا آستیں سے

وہ چشم فتنہ گر ہے ساقی میخانہ برسوں سے
کہ باہم لڑ رہے ہیں شیشہ و پیمانہ برسوں سے

پہنچی یہاں بھی شیخ و برہمن کی کشمکش
اب میکدہ بھی سیر کے قابل نہیں رہا

علی جواد زیدی کا خیال ہے کہ فیض کی شاعری کی عمارت ان ہی بنیادوں پر تعمیر ہوئی ہے جن کی بنا اقبال سہیل نے رکھی تھی اور آج بھی بہت سے شعرا جس کی خوشہ چینی کر رہے ہیں۔

اقبال سہیل نے اپنی مذہبی شاعری میں بھی غیر ضروری مبالغہ آرائی سے پرہیز کیا ہے۔ انہوں نے نعتیہ احترام ملحوظ رکھتے ہوئے لفظی بازی گری اور صنعت گری کو کہیں بھی جگہ نہیں دی۔ ان کے زیادہ تر قصائد بھی نعتیہ ہیں۔ وہ بیسویں صدی کے آخری قصیدہ گو ہیں۔ ان کے تمام قصائد ان کی قادرالکلامی کے مظہر ہیں۔ اگر ان کے صرف ایک نعتیہ قصیدہ کا بھی مطالعہ کیا جائے تو ظاہر ہو جائے گا کہ وہ اردو کی قدیم اساتذہ کی صف کے بے مثال قصیدہ نگار ہیں۔ نوّے اشعار کے اس قصیدے کا اختتام اپنی عجز بیانی کے اعتراف پر کرتے ہیں:

خرد عاجز، نظر خیرہ، زباں کج مج، بیاں قاصر
زمین نعت میں کیا دیجئے داد سخن دانی

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ اشعار سودا کے قصیدے میں شامل کر دیجئے تو اسی معیار کے معلوم ہوں گے:

کرے تار شعاعی لاکھ اپنی سعی امکانی
رفو ہوتا نہیں اب صبح کا چاک گریبانی

وہی سمجھیں گے جو واقف ہیں اسرار محبت سے
کہ یکساں جانگسل ہے ذوق وصل و درد ہجرانی

ادھر دوشیزہ کرنوں کا نکلنا سمت مشرق سے
ادھر بزم جہاں سے رخصتِ شمع شبستانی

ادھر سبزے کا جاگ اٹھنا خمار خواب نوشیں سے
ادھر بادِ سحر سے زلف سنبل کی پریشانی

میرا خیال ہے کہ اقبال سہیل کے قصائد پر ان کے تمام اردو کلام اور فارسی کلام پر قصائد سے زیادہ توجہ کی جانی چاہئے۔ اقبال سہیل کا تمام کلام ان کی لاپروائی کا شکار رہا۔ اب ہماری بے حسی کا ماتم کر رہا ہے۔ رشید احمد صدیقی کا قول ہے:

''مولانا کے فارسی کلام میں اردو سے زیادہ طرفگی اور نازکی، ہے ان کے فارسی قصائد ان کی فارسی دانی کا ادنیٰ ثبوت ہیں۔ اثر لکھنوی کا خیال ہے کہ جب وہ اپنے فارسی قصائد سناتے تھے تو یہ امتیاز مشکل ہو جاتا تھا کہ عرفی با قاآنی نواسنج ہے یا سہیل۔ وہی رفعت خیال و معنی آفرینی، وہی رعنائی و لطافت، وہی شیرینی وہی وحدت و ندرت پیدا کر دی تھی جو متاخرین شعرائے فارسی عرفی، نظری طہوری وغیرہ کا طرۂ امتیاز ہے''

آل احمد سرور نے اقبال سہیل کی فارسی شاعری کو اس عجمی نغمے سے تعبیر کیا ہے جس کی لے مجازی ہے:

''غالب کے بعد ہندوستان میں فارسی کے اچھے شاعر کم ہی ہوئے ہیں شبلی، خواجہ عزیز لکھنوی، گرامی، ان شعرا میں سے ہیں جن کے یہاں بادہ عجم کا کچھ رس ملتا ہے اس دور میں اقبال سہیل، اس رنگ کے تنہا نمائندے ہیں۔ اقبال سہیل کے فارسی قصائد دیکھئے تو شبلی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔''

اقبال سہیل نے شعری نظریات و خیالات کا جو اظہار کیا ہے اس کا اطلاق ان کی فارسی شاعری میں بدرجۂ اتم نظر آتا ہے۔ سروجنی نائیڈو کی علی گڑھ آمد پر جو فارسی نظم انہوں نے کہی تھی وہ واقعی تمام حواس خمسہ کو متاثر کرتی ہے:

بہ شب چو مہر خاوری بہ روئے خود نقاب زد
زمانہ تاج سروری بہ فرق ماہتاب زد
تبسم تکلّمے، تکلّمش ترنّمے
سزد اگر تلاطمے بہ جان شیخ و شاب زد

○○